مذہب کی بابت کیوں سوچیں؟

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(قسط - ۱)

(۱) کمال کی تلاش فطرت کا تقاضہ ہے،
(۲) نقصان سے بچنا فطری ہے،
(۳) مذہب علوم وفنون کا محرک ہے،
(۴) مذہب اور اخلاقی اصلاح،
(۵) ایمان سرچشمۂ اطمینان،
(۶) ترقی یافتہ معاشرہ

بعض تعلیم یافتہ اشخاص کہتے ہیں کہ خدا، مذہب اور مابعد الطبیعۃ مسائل کے متعلق کیوں غور وخوض کریں؟ ایسے موجودات جو حواس اور تجربے کے دائرے سے باہر ہیں، جن کے ہونے اور نہ ہونے کا ہماری زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ ہیں تو کیا؟ اور نہیں ہیں تو کیا؟ ان کے متعلق تحقیق کرنے کا نتیجہ صرف اپنا قیمتی وقت ضایع کرنا ہے۔ ایک عقلمند آدمی کو ایسے مسائل کے متعلق غور وخوض کرنا چاہیے جن کا انسان کی زندگی سے تعلق ہے، جن کی گرہ کھولنا اس کی زندگی کو بہتر بنا سکے۔ ہمارا بس مادے اور نیچر سے سابقہ ہے اس کے علاوہ دوسرے مسائل کی بابت غور وفکر کرنا حماقت ہے۔

ایسے اشخاص کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے اپنے لئے کسی مذہب کو پسند کرلیا ہے، ان کا فرض ہے کہ اپنی رفتار وگفتار بلکہ اپنے خیالات وافکار تک میں اس مذہب کے اصول وقوانین کی حتی الامکان پابندی کریں۔ ان کی زندگی کے تمام انفرادی اور معاشرتی شعبوں میں دینی تعلیمات کی جھلک نظر آنا چاہیے۔ ہماری عقل ان کے واسطے ضروری قرار دیتی ہے کہ ان کا کوئی عمل مذہبی حدود وقیود کے باہر نہ ہو، لیکن ایسے آزاد خیال اشخاص کے لئے مذہب کے متعلق تحقیق ہرگز ضروری نہیں ہے جنہوں نے مذاہب عالم میں سے ابھی کسی دین کا انتخاب نہیں کیا ہے، جو ابھی کسی تعلیم اور قانون کے پابند نہیں ہوئے ہیں۔ کیا انسانی زندگی فطری طور پر مذہب سے وابستہ ہے؟ کیا آدمی بغیر مذہب کے زندگی نہیں بسر کرسکتا؟ افراد انسانی اور ان کے مختلف معاشرے بلا مخصوص مذہبی اصول اخلاقی کے اپنے حقیقی کمالات کی منزل تک نہیں پہونچ سکتے؟ آخر کیا ضروری ہے کہ بیٹھے بٹھائے لوگ مذہب کی بابت تحقیق کا دردسر مول لیں؟ اپنی آزادیوں کو پابندی سے بدلیں؟ اپنی راحتوں کو خیر باد کہہ کر زحمتوں اور تکلیفوں میں گرفتار ہوں؟

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس خیال کی حیثیت ایک غلط فہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کو مختلف رخوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کمال کی تلاش تقاضائے فطرت ھے

ہر وہ شخص جسے انسان کہا جا سکے اپنی عقل اور فطرت کے اشاروں سے منزل کمال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انسان جس فضا، جس ماحول میں بھی ہو عقل وفطرت کے بنائے ہوئے اس راستے سے بال برابر ہٹتا نہیں ہے۔ اس کے ذاتی اور سماجی حالات میں جتنا چاہے تغیر وتبدل ہو، لیکن اس کے خط سیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ ایک طالب علم جو یونیورسٹی میں تحصیل علم کر رہا ہے، ایک مزدور جو کسی فیکٹری کے اندر اپنے کام میں سر گرمی کے ساتھ مشغول ہے، ایک بڑا عالم جو برابر کتابوں کے

مطالعے اور گہرے علمی مطالب کی تحقیق میں منہمک ہے، ایک سائنسداں جو تجربہ گاہوں کے طاقت فرسا ماحول میں طرح طرح کی آزمائشیں کر رہا ہے۔ یہ سب کے سب اپنی منزل کمال تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اپنی ذات اور قوم کے لئے ایک شاندار، تابناک مستقبل کی آرزو کروٹیں بدل رہی ہے۔ اسی نے انہیں ان جانفشانیوں اور غیر معمولی محنتوں پر آمادہ کیا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد کمال ہے اس لئے اس تک پہنچنے کے سلسلے میں ہر تکلیف و رنج ان کے واسطے راحت و مسرت کا سامان ہے۔ فطرت کی آواز اور عقل وضمیر کا حکم ان لوگوں کا پشت پناہ اور مددگار ہے۔

تلاش کمال کا یہ جذبہ نوع انسانی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ حیوانات میں بھی مکمل طور سے موجود ہے۔ وہ بھی اپنے کمال کے خواستگار ہیں۔ وہ بھی اپنی منزل کمال کی طرف رواں دواں ہو کر ہر قسم کی رکاوٹوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ایسی چیزوں کو چاہتے ہیں جو ان کی زندگی کے ساتھ سازگار ہوں۔ وہ ایسی چیزوں سے ہمہ وقت فراری ہیں جو ان کے فطری تقاضوں کو نقصان پہنچائے۔ اس بارے میں انسان اور جانور کے درمیان صرف یہ فرق ہے کہ کمال خواہی کا جذبہ جانور کی بہ نسبت انسان میں زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی رہبری کے لئے عقل موجود ہے جس سے بیچارہ جانور محروم ہے۔

کمال طلبی کا یہ جذبہ اتنا ہمہ گیر ہے کہ اس کے دائرے سے کوئی انسان باہر نہیں ہے۔ زیادہ صحیح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ تمام افراد انسانی کی دلی خواہش ہے کہ وہ اپنی اپنی منزل کمال کی جانب آگے بڑھیں۔ ان کی تمام کوششیں اور کاوشیں اسی راہ میں ہوں۔ شاید ساری دنیا میں ڈھونڈھنے کے بعد کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے جسے اپنے فائدے اور کمال سے نفرت ہو جو ایسی چیزوں کی طرف بڑھنا چاہتا ہو جن سے اسے نقصان پہنچے۔

یہاں پر ممکن ہے کہ کوئی شخص بول اٹھے کہ ہمیں ایسے اشخاص بکثرت نظر آتے ہیں جنہوں نے مختلف طریقوں سے خودکشی کر کے اپنی عزیز جان سے ہاتھ دھو ڈالے۔ کیا اس قسم کے لوگوں کو بھی قانون مذکور کے دائرے میں داخل سمجھا جائے گا؟ کیا یہ خودکشیاں بھی منزل کمال تک پہنچنے کی ایک کامیاب کوشش قرار دی جائیں گی؟

شاید آپ تعجب کریں کہ اس سوال کا جواب منفی نہیں ہے۔ ہاں کہا جا سکتا ہے کہ خودکشی کرنے والوں کا مقصد بھی حصول کمال ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے حالات زندگی کا مطالعہ اور جائزہ بتاتا ہے کہ ان کی اس خودکشی کا سبب وہ آلام و مصائب تھے جن سے برابر انہیں مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ انہی سے نجات کی خاطر انہوں نے خودکشی کر ڈالی۔ کوئی شک نہیں کہ مصائب و آلام سے چھٹکارا مراحل کمال میں سے ایک نمایاں اور ممتاز مرحلہ ہے۔ ان لوگوں نے یقیناً حصول کمال کی غرض سے خودکشی کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے کامل بننے کا راستہ معین کرنے میں دھوکا کھایا۔ انھوں نے یہ غلط سمجھا کہ وہ فطری کمال جس کی پشت پناہی اور حمایت انسانی عقل وضمیر کرتے ہیں مصائب و آلام میں گھرے ہوئے انسان کے لئے یہی خودکشی ہے اور بس!!

کسی اور کا کیا ذکر اس اصول سے وہ لوگ تک مستثنیٰ نہیں ہیں جو انتہائی قابل نفرت، ذلیل کاموں کا ارتکاب کیا کرتے ہیں، جو اپنی قیمتی زندگی کو وقتی لذت اندوزی کی خاطر تباہ کر دیتے، جو نشیلی چیزوں کا استعمال کر کے اپنے تمام اعضاء رئیسہ کو بیکار بنا لیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی بخیال خود کمال کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے راہ کمال سے بھٹک کر اپنی قوتوں کا صحیح مصرف انہی پست کاموں کو سمجھ لیا ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام افراد انسانی بلا استثناء کمال کی تلاش میں ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دوڑ دھوپ کی محرک دو چیزیں ہیں۔ ایک صدائے فطرت، دوسرے فرمان عقل۔

صحیح تعلیم و تربیت سے محرومی کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ یہ سمجھنے میں انسان سے چوک ہو جائے کہ اس کے لئے کمال کیا چیز ہے؟

ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی کمال کا راستہ طے کرنے کے بجائے انحطاط اور تنزل کے راستے پر چلنے لگے۔

ذھنی اور دماغی کمال

بدیہی بات ہے کہ انسان کے معلومات جتنے بلند ہوں گے اتنی ہی اس کی قوت فکر بلند اور کامل ہوگی کیونکہ انسانی عقل وفکر کا اپنے معلومات سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ جس قدر انسانی معلومات کا دائرہ وسیع ہوگا اسی کے مطابق عقل انسانی کے دائرے میں وسعت ہوگی۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ انسانی معلومات کی ترقی اور بلندی خود ذہنی اور دماغی طاقت کی ترقی اور رفعت ہے۔

جو کام انسانوں کے ڈاکٹر انجام دیتے ہیں وہی مویشیوں، گھوڑوں، بیلوں، بھینسوں اور گدھوں کے ڈاکٹر بھی انجام دیتے ہیں۔ کچھ لوگ آدمیوں کا علاج کرتے اور کچھ چوپاؤں، درندوں اور پرندوں کا علاج کرتے ہیں۔ سب کی بیماریاں اور ان کے طریقۂ علاج بھی تقریباً یکساں ہیں، لیکن سماج میں آدمیوں کے معالج ڈاکٹروں کو جو عزت واحترام حاصل ہے، وہ جانوروں، گھوڑوں، گدھوں کے معالج ڈاکٹروں کو نصیب نہیں ہے۔ جیسی جیسی لمبی لمبی تنخواہیں اور فیسیں آدمیوں کے ڈاکٹروں کو ملتی ہیں، ان سے جانوروں کے معالج ڈاکٹر محروم ہیں، کیوں؟ صرف اس لئے کہ انسان کا درجہ جانور سے بلند ہے۔ جو آدمیوں کے طریقۂ علاج سے واقف ہو وہ اس شخص سے یقینا بلند اور معزز ہے جو حیوانات کے طریقۂ علاج کا ماہر ہو۔

جوتا بنانے والا چمار کہلاتا ہے اور سوٹ سینے والا ٹیلر ماسٹر، جو مزدوری درزی کو ملتی ہے اس کی آدھی بھی بیچارہ چمار نہیں پاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جوتے کی لوگوں کی نگاہ میں وہ وقعت نہیں ہے جو ان کے سوٹ کی ہے، جوتے کی مرمت کرنا بھی ہنر ہے سوٹ سینا بھی ایک ہنر ہے، لیکن ایک ہنر دوسرے ہنر کے جاننے والے سے اشرف اور زیادہ باعزت ہے۔

ہوائی جہاز کا پائیلٹ اور آپ کی کار کا ڈرائیور، دونوں اپنے اپنے کام کے ماہر ہیں، ایک کے قابو میں ہوائی جہاز کی مشینری ہے دوسرے کے کنٹرول میں موٹر کار کی مشینری ہے، لیکن ہوائی جہاز کے پائیلٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی آدھی بھی موٹر ڈرائیور کو نہیں ملتی کیوں؟ اس لئے کہ کہاں ہوائی جہاز اور کہاں سڑکوں پر ماری ماری پھرنے والی یہ ہماری کاریں؟ نہ ہوائی جہاز کی برابری یہ کاریں کرسکتی ہیں اور نہ پائیلٹ کی ہمسری کا دعویٰ موٹر ڈرائیور کر سکتے ہیں؟

ایک شخص نے کمیسٹری اور لٹریچر دو مضمونوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے۔ دوسرے اس کے دوست نے صرف لٹریچر میں۔ کیا یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد دونوں کو ایک نظر سے دیکھیں گے؟ سماج میں دونوں کو ایک درجے میں جگہ دی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ جو شخص دو مضمونوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی ہے اس کے معلومات اس شخص سے یقینا زیادہ وسیع ہیں جس نے صرف ایک مضمون میں یہی سند حاصل کی ہے، اس لئے کبھی دونوں کو برابر نہیں سمجھا جاسکتا۔

اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقل وفکر کی وسعت اور رفعت کا دارومدار اس کے معلومات کی بلندی اور وسعت پر ہے۔ کامل ترین اور وسیع ترین ذہن اور عقل وہ ہے جو کامل اور وسیع ترین موجودات کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے مقابل اور اس کے برعکس پست ترین دماغ وہ ہے جس کے معلومات انتہائی پست حقیر اور محدود ہوں۔

اب اس تشریح کی روشنی میں دیندار اور بے دین شخص کے عقائد اور نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے موازنہ کیجئے کہ کس کے معلومات بلند ہیں اور کس کے معلومات پست؟

مذہب سے بیگانہ شخص کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کو جس طاقت نے پیدا کیا ہے وہ ایک کمسن بچے کے برابر بھی عقل کی مالک نہیں ہے۔ وہ قوت اندھی، بہری، گونگی مجبور اور محدود ہے۔ اس کے برخلاف دینداروں کا عقیدہ ہے کہ اس عالم کو ایک ایسی ذات نے پیدا کیا ہے جو سراسر وجود ہی وجود ہے۔ اس میں عدم کا

کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ ازلی اور ابدی ہے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ تمام کائنات اس کے در کی بھکاری ہے۔ وہ سمیع وبصیر ہے۔ حی وقیوم ہے۔ مرید ومتکلم ہے۔ اس کی حکمت غیر محدود اس کی قدرت غیر محدود ہے۔

مذہب سے بیگانہ شخص کا خیال ہے کہ عالم بس انہی چیزوں میں محدود ہے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں یا جن کو نیچرل سائنس نے ثابت کیا ہے۔ اس کے بالمقابل دیندار شخص کا نظریہ ہے کہ ذریعۂ علم احساس اور تجربے کے دائرے میں محدود نہیں ہے۔ عالم اس دنیا سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ہمارے احساس اور تجربے میں محدود ہے۔ روح ہے، لیکن مشاہدے میں آنے کے قابل نہیں۔ فرشتے ہیں، لیکن انھیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، نہ ہمارے کان ان کی آوازوں کو سن سکتے ہیں۔ ہمارے اردگرد جنات پھیلے ہوئے ہیں جن کی کارگزاریوں کی ہمیں خبر نہیں ہے۔ اس عالم محسوس کے علاوہ نہ جانے کتنے غیر محسوس عالم ہیں۔ یہ عالم ناپائیدار اور فانی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا عالم پائیدار اور باقی ہے۔

بے دین شخص کے نزدیک انسان بس مادی ہی مادی ہے۔ اس کے سراپائے وجود کی تشکیل نرے مادے سے ہوئی ہے۔ زندگی طرح طرح کے عناصر کے اکٹھا ہوجانے کا نام ہے۔ موت ان کے تتر بتر ہوکر اپنے اپنے مرکزوں میں پہنچ جانے کا نام ہے۔ انسان کی زندگی چندروزہ ہے۔ وہ کسی حیثیت سے بھی باقی رہنے والا نہیں ہے۔ اس کے اور دوسرے حیوانات کے درمیان کوئی غیر معمولی فرق نہیں ہے۔ وہ انہیں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس کے برخلاف مذہب کے پرستار کے نزدیک انسان دو جزوں سے مرکب ہے: جسم اور روح۔ روح مادی نہیں ہے غیر مادی ہے ۔ اس کے ادراکات بہت وسیع ہیں، کوئی مادی چیز اس کے علم و اطلاع سے مانع نہیں ہوسکتی، کسی چیز میں اس کا حجاب بننے کی سکت نہیں ہے۔ اس کی کارگذاری ہمارے سونے اور جاگنے دونوں حالتوں میں جاری رہتی ہے۔ وہ دل کے چھپے ہوئے بھیدوں سے، وہ چشم وآبرو کے نازک اشاروں سے، وہ ہماری مخفی سرگوشیوں سے، وہ ہماری نیتوں اور ارادوں سے، وہ افلاک کی بلندیوں اور زمین کی تہوں میں پوشیدہ چیزوں سے بخوبی واقف ہوسکتی ہے۔ اس کا وجود باقی اور پائیدار ہے۔ موت میں یہ دم نہیں ہے کہ اس کے قلموں کو چھو سکے۔ وہ انسان کے جسم کو فنا کرسکتی ہے، لیکن اس کی روح میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ موت کے معنی بالکل نیست ونابود ہوجانے کے نہیں۔ موت کے معنی دوبارہ پیدا ہونے اور ایک طرح کی زندگی حاصل کرنے کے ہیں۔ موت انسان کے منازل کمال میں سے ایک منزل ہے، کیونکہ مرنے کے بعد انسان ایک وسیع اور بلندتر عالم میں قدم رکھتا ہے۔

فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ان دونوں میں سے کون صحیح طور پر سوچتا ہے اور کون غلط طور پر؟ ہمارا اس وقت مقصد یہ ہے کہ ہم اس کا فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں سے کس کی عقل زیادہ کامل کس کی روح زیادہ طاقتور ہے؟ آیا وہ شخص کامل ہے جس کی عقل صرف مادے کی چاردیواری میں گھوم رہی ہے یا وہ شخص کامل ہے جس کی عقل ابدیت کے آسمانوں میں ایک غیر محدود فضا میں پرواز کررہی ہے؟ اس سوال کا جواب بلا عرض کئے ہوئے ہر صاحب عقل کے سامنے ہے۔ یقیناً مذہب وہ ہے جو مادی افکار سے بلندتر فضا میں انسانی عقل وشعور کو پرواز کا موقع دیتا ہے، دین وہ ہے جو روح کو طاقتور بناتا اور انسان کی ہمت بلند کرتا ہے۔

(۲) نقصان سے بچنا فطری ہے

انسان عموماً ایسی چیزوں کے متعلق سوچتا ہے جس کا اس کی زندگی سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہو۔ بے شک جن چیزوں سے اس کی زندگی سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہو۔ بے شک جن چیزوں سے اس کی ذات اور اس سے وابستہ اشخاص کو نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہو اور نہ کوئی نقصان، اس کی بابت اسے غور وخوض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت یہ وہی حب ذات کا جذبہ ہے جو انسان کو ابھارتا ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کے بارے میں غور کرے جس کا اس

کے فائدے یا نقصان میں دخل ہے۔ یقیناً علم اور صنعت کی ترقی بہت حد تک اسی سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔

ہم دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں کے متعلق، ان کی تاریخ زندگی اور ان کے اوصاف وخصوصیات کے بارے میں جہاں تک ممکن ہے مطالعہ کرتے، قدیم تمدنوں کے آثار کا پتہ چلانے کے لئے طرح طرح کی زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ یہ سب کیوں اور کس لئے؟ محض اس واسطے کہ ان اطلاعات کے ذریعہ ہمیں اپنی زندگی میں کچھ فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ اس قسم کے مسائل کی تحقیق میں ہمارا وقت صرف کرنا بتاتا ہے کہ جس چیز کا ہماری زندگی سے زیادہ تعلق ہوگا اس کی بابت غور وخوض کرنا اتنا ہی اہم اور ضروری ہوگا۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ انسان اپنے تمام ادوار زندگی میں یہ مانتا رہا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے۔ اس کا یہ عقیدہ انتہائی قدیم اور پختہ ہے۔ انسان کو کبھی اس کے صحیح ہونے کے متعلق شک نہیں ہوا۔ ہر زمانے میں ایسے لوگ بہت کم رہے ہیں جو اس کے قائل ہوں کہ اس عالم کی پیدائش میں علم وشعور اور ارادے کا دخل نہیں ہے۔

مشہور مصری عالم محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:-

> زمین کی کھدائی کے ذریعہ گزشتہ لوگوں کے آثار کی جتنی بھی جستجو کی جائے بت پرستی ان کے ادراکات اور معقولات میں سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ نیز خدا کے وجود کا اعتقاد انسان کے موجود ہونے کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔

(دائرۃ المعارف مادہ وثن، ص ۶۲۹)

خدا کے ماننے والوں کی کثیر اور عظیم جماعت میں صرف جاہل عوام نہیں بلکہ بڑے بڑے عالی قدر سائنسداں، بڑے بڑے بلند مرتبہ فلاسفہ، عظیم الشان محققین اور موجدین نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے جدید تمدن کی بنیادیں رکھی ہیں، موجودہ علوم وفنون کی رونق جن کی جانفشانیوں کا طفیل ہے، جن کے غیر معمولی علم و دانش کو ساری دنیا مانتی ہے۔ ایسے اشخاص یکزبان ہوکر کہتے ہیں کہ دنیا کا یہ نظام ایک عظیم عقل وفکر ایک طاقتور خالق کا اثر ہے۔ یہ عالم رنگ و بو کا حسن و لطافت، یہ کائنات کے حیرت انگیز نقش ونگار زبردست نقاش کے قلم قدرت کا نتیجہ ہیں۔

انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خالق عالم نے انسان کو ایک مخصوص غرض اور مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اس نے انسان کی خلقت کا مقصد اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے ذریعہ بیان بھی کر دیا ہے، اس نے اس مقصد کو پورا کرنے کی خاطر انسان کے واسطے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں، اس کی جانب سے فرماں برداروں کے لئے ان کی اطاعت کے صلے اور نافرمانوں کے واسطے سزائیں معین ہوئی ہیں۔

دوسری طرف ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ بہت سے بلند کردار، پاک وطاہر سیرت کے اشخاص نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم خدا کے رسول اور اس کے سفیر ہیں۔ ان کی زندگی کا پورا موقع درخشاں نظر آتا ہے۔ ان کے دامن پر کسی اخلاقی کمزوری کا دھبہ نہیں دکھائی دیتا، ان کی شخصیت بلند اخلاق واوصاف کے لحاظ سے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں کسی قسم کی فداکاری اور جانبازی میں دریغ نہیں کیا۔ ان میں سے اکثر وبیشتر نے لوگوں کو اپنے راستے پر لانے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ان کی یہ حیرت انگیز فداکاری اور قربانی پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ وہ اپنے راستگو ہونے کا پختہ عقیدہ رکھتے تھے۔

ہمارے سامنے مذہبی عقائد کا جھنڈا ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہے جس میں بڑے بڑے مفکرین، علوم وفنون کے عظیم ماہرین ہیں۔ ان کے علاوہ بلند اور پاکیزہ ترین اخلاق و صفات کے حامل اشخاص ہیں۔ کیا عقائد مذہبی کے بارے میں اس گروہ کا متفق ہونا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں قرار دیتا ہے کہ ہم ان کے بارے میں غور وخوض کریں؟ کیا یہ قرین عقل ہے کہ

ایسے عظیم المرتبت اشخاص کی متفقہ رائے غلط ہو۔ ہمارا دل ان کے خیال اور دعوے کے صحیح ہونے کا یقین رکھتا ہے، کیونکہ ان کے درمیان ہمیں ہزاروں سائنسداں، علم وصنعت کے ماہرین، بلند اخلاق وصفات کے مالک اشخاص نظر آتے ہیں۔

انسان ان علوم وفنون کے ماہرین، تہذیب وتمدن کے بانیان، بلند انسانی اخلاق وصفات کے مالک اشخاص کے متعلق کتنی ہی بدگمانی سے کام لے، لیکن اس کا ہرگز ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ کسی مسئلے میں ان کے متفق ہونے سے کم ازکم انسان کے دماغ میں یہ خیال ضروری پیدا ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ صحیح ہو۔

آیا اس میں جب کہ ہمیں یہ شک ہو کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، جبکہ یہ شک ہو کہ اس نے انسان کو کسی غرض کے لئے پیدا کیا ہے، جبکہ یہ شبہ ہو کہ اس کا رشتۂ زندگی مرنے کے بعد ٹوٹتا، جبکہ یہ شبہ ہو کہ اس خالق نے انسان کے لئے کچھ فرائض مقدر کئے ہیں، جبکہ یہ احتمال ہو کہ اس دنیا کے علاوہ ایک دوسرے عالم میں ہر شخص کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی جزا اور سزا دی جائے گی۔ آیا ان صورتوں میں یہ صحیح ہے کہ انسان معمولی معمولی چیزوں کے متعلق تحقیق کرے، لیکن ان مسائل کے بارے میں تحقیق نہ کرے؟ ہر شی کے بارے میں سوچے، لیکن مذہب کی بابت نہ سوچے؟ ہر راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرے، لیکن یہ پتہ چلانے کا درپے نہ ہو کہ وہ خود بخود وجود میں آگیا ہے یا کسی طاقت نے اسے ارادے اور اختیار سے پیدا کیا ہے؟ ہماری عقل ہمیں اجازت نہیں دیتی ہے کہ ہم خدا اور آخرت کے مسئلہ سے چشم پوشی کرلیں؟ ایسا مسئلہ جس کا ہماری دائمی خوش بختی اور بدبختی سے تعلق ہے؟

دنیا کا کوئی سنجیدہ انسان تحقیق کرنے سے پہلے یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ خدا، آخرت جزا وسزا کے تمام مسائل ایک بے حقیقت اور محض خیالی چیز ہیں۔ ممکن ہے کوئی غیر ذمہ دار شخص جرأت کرکے زبان سے ایسا کہہ دے۔ لیکن اس کا دل گواہی دے گا کہ اس نے غلط کہا۔ ایسی صورت میں ایسے اہم مسئلہ کے متعلق ہماری عقل ہمارا کیا فریضہ قرار دیتی ہے؟ جو شخص ایسے عظیم الشان مسئلہ کے متعلق غور وخوض کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار نہ کرے کیا اسے انسان کہا جاسکتا ہے۔

ہر قسم کے نقصان سے بچنا انسان کی فطرت کا مطالبہ ہے، چاہے وہ نقصان یقینی ہو اور چاہے احتمالی، ہم رات کو سونے کے لئے بستر پر جانا چاہتے ہیں، ایک چھوٹا بچہ چیخ کر کہتا ہے کہ سانپ، سانپ سانپ، ہمارے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ ہم ٹھٹک کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہم اس بستر پر اور شاید اس کمرے میں سونے پر تیار نہیں ہوتے، لیکن دنیا کے ہزاروں سائنسداں ،ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر، کروڑوں اربوں صاحبان عقل وشعور ان کے ماننے والے ہم سے کہتے ہیں کہ خدا ہے، اس نے انسان کے لئے کچھ فرائض قرار دیے ہیں، اطاعت شعاروں کے واسطے بہشت اور اس کی نعمتیں، نافرمانوں کے لئے جہنم اور اس کی انتہائی دردناک تکلیف دہ سزائیں ہیں، لیکن ان کے کہنے سے ہم اتنا بھی متاثر نہیں ہوتے جتنا ایک کمسن بچے کے کہنے کا اثر لیتے ہیں۔

(۳) مذهب علوم وفنون کا محرک هے

کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ علوم وفنون کا زمانہ ہے۔ تعجب ہے کہ اس علم ودانش کے درخشاں دور میں یہ کہا جاتا ہے کہ خدا اور ایسے ہی دوسرے امور کے متعلق غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ خدا کا اعتقاد علم ودانش کا خالق، علم ودانش کا طاقتور محرک ہے۔ یہ عقیدہ کہ ایک علیم وحکیم طاقت نے اس عالم کو اپنے ارادے اور اختیار سے مخصوص اصول وقوانین کے مطابق مرتب اور منظم صورت سے پیدا کیا ہے، انسان کو تحقیق اور ریسرچ پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے برخلاف مادی تفکر اور نظریہ صرف یہی نہیں کہ انسان کو تحقیق کے لئے آمادہ نہیں کرتا بلکہ اس کے طائر فکر کو پرواز سے روکتا ہے۔

(باقی آئندہ)